دل بدل جائیں گے!

جناب محمد راشد

انسان کی ذہنی وفکری تربیت میں کتاب اور تعلیمی ماحول کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ کتاب کے ذریعے مصنف اپنے قاری تک اپنے نظریات اور افکار منتقل کررہا ہوتا ہے۔ یوں نہ سمجھنا چاہیے کہ کسی کتاب کے پڑھنے میں کیا حرج اور نقصان ہے؟ حالانکہ یہ بات خلافِ حقیقت ہے۔ ہر کتاب ہر ایک کے پڑھنے کے لیے نہیں ہوا کرتی، بالخصوص ایک مسلمان کو بدعقیدہ اور غیر مسلم مصنفین کی کتب پڑھنے سے بالکل گریز کرنا چاہیے جو مذہب کے خلاف مواد پر مشتمل ہوں، ورنہ انسان کو معلوم بھی نہیں ہوتا اور وہ لاشعوری طور پر دین سے برگشتہ ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اپنے تئیں یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں درست لائن کی طرف جارہا ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی دین میں مضبوط شخصیت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں توراۃ پڑھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور غصے سے سرخ ہوگیا، تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے متصلّب فی الدین کو توراۃ جیسی آسمانی کتاب سے کوئی فکری ونظری نقصان ہوسکتا تھا؟ لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری ملاحظہ فرماکر فوراً پڑھنا چھوڑ دیا، تو باقی کسی کا کیا منہ ہے کہ جو جی میں آئے وہ پڑھنے لگے؟!

آج میڈیا کا دور ہے، لٹریچر کی بھرمار اور انٹرنیٹ پر ہر طرح کی معلومات کی یلغار ہے۔ ہر شخص شعوری ولاشعوری طور پر ان معلومات کو حاصل کررہا ہے اور ہر مفکر اور ہر پروفیسر کی گفتگو اپنی مذہبی تعلیمات میں دینی پختگی کے بغیر قلب ودماغ میں بٹھا رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان دین میں کئی طرح کے اشکالات کا شکار ہوکر دین کی حقیقی شکل سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی بعض اسلام دشمن دانشوروں کی کتب پڑھ کر ایسے لوگ دین سے بھی بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ نماز، روزہ ودیگر احکام انہیں ڈھکوسلا نظر آتے ہیں اور وہ کسی قدیم خیال مولوی کو تو منہ بھی نہیں لگاتے کہ یہ تو بنیاد پرست اور دقیانوس ہے۔ جدید مفکرین اور دانشور اُن کے افکار وتصورات کا محور بن جاتے ہیں، حالانکہ ایسے دانشور فی الاصل خود صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں ہوتے تو پھر دوسروں کی کیا رہبری

کریں گے؟ نتیجتاً ان کی کتب پڑھنے والے بھی حقیقی دین سے دور ہو جاتے ہیں۔

متذکرہ بالا اصولی گفتگو کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے لیے ماضی قریب کی ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا گھرانہ علمی اور وہ خود مذہبی حیثیت رکھتے تھے، بلکہ ان کے مضامین بھی دینی ماہناموں کی زینت بنتے تھے، لیکن ذوق مطالعہ کے شوق میں مغربی مفکرین کی کتابوں کی طرف طبیعت مائل ہوگئی، جن میں الحادی مضامین بھرے ہوئے تھے۔ نتیجہ کیا نکلا کہ وہ دینی ہونے کے باوجود اپنے دین سے منحرف، بلکہ بدظن ہوگئے اور شکوک وشبہات میں پڑ کر الحاد میں جا گرے۔ ہماری یہاں مراد حضرت مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ ہیں، حضرت دریا آبادیؒ اپنی آپ بیتی میں اپنے دورِ الحاد کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دینی جوش کا یہی عالم تھا اور اب سن کے سولہویں سال میں تھا کہ سیتاپور ہائی اسکول سے میٹرک پاس کر کے لکھنؤ آ گیا۔ اور جولائی ۱۹۰۸ء میں کیننگ کالج میں داخل ہوگیا، لکھنؤ آنا کچھ اور پہلے ہوگیا تھا اور یہاں ایک عزیز کے پاس ایک انگریزی کتاب محض اتفاق سے دیکھنے میں آ گئی، اچھی خاصی ضخیم، ہر چیز کے پڑھنے اور پڑھ ڈالنے کا مرض تو شروع ہی سے تھا، کتاب کا کیڑا بنا ہوتا تھا، بے تکان اس کتاب کو بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن اب کیا بتا جائے، جوں جوں آگے بڑھتا گیا، گویا ایک نیا عالم عقلیات کا کھلتا گیا اور عقائد واخلاق کی پوری پرانی دنیا جیسے زیروزبر ہوتی چلی گئی۔ کتاب مذہب پر نہ تھی، نہ بہ ظاہر اس کا کوئی تعلق ابطالِ اسلام یا ابطالِ مذاہب سے تھا، اصولِ معاشرت وآدابِ معاشرت پر تھی، نام تھا: ''ELEMENTS OF SOCIAL SCIENCE'' اور مصنف کا نام اس ایڈیشن میں غائب تھا، بجائے نام صرف اس کی طبی ڈگری ایم، ڈی درج تھی، بعد کے ایڈیشنوں پر نام ڈاکٹر ڈریسڈیل ''DYRESDALE'' نکلا اور بعد کو یہ بھی کھلا کہ وہ اپنے وقت کا ایک کٹر ملحد تھا۔ کتاب کیا تھی، ایک بارود بچھی ہوئی سرنگ تھی۔ حملہ کا اصل ہدف وہ اخلاقی بندشیں تھیں، جنہیں مذہب کی دنیا اب تک بہ طور علوم متعارفہ کے پکڑے ہوئے ہے اور ان پر اپنے احکام کی بنیاد رکھے ہوئے ہے، مثلاً: عفت وعصمت۔ کتاب کا اصل حملہ انہیں بنیادی، اخلاقی قدروں پر تھا، اس کا کہنا تھا کہ یہ جنسی خواہش تو جسم کا ایک طبعی مطالبہ ہے، اسے مٹاتے رہنا اور اس کے لیے باضابطہ عقد کا منتظر رہنا، نہ صرف ایک فعل عبث ہے، بلکہ صحت کے لیے اور جنسی قوتوں کی قدرتی بالیدگی کے لیے سخت مضر ہے، اس لیے ایسی قیدوں پابندیوں کو توڑ ڈالو، اور مذہب واخلاق کے گڑھے ہوئے ضابطۂ زندگی کو اپنے پیروں سے روند ڈالو۔ صرف یہ ایک مضمون بیان ہوا، اسی طرح کتاب کی زَد آ کر ہر ایسی قدر پر پڑتی تھی جو مذہب اور اخلاق کو ہمیشہ عزیز رہے ہیں۔ مالتھس کا مسئلہ ضبطِ تولید ومنع حمل سب سے پہلے اسی کتاب میں پڑھنے میں آیا۔ اندازِ بیان بلا کا زوردار اور خطیبانہ تھا۔ سولہویں سال کا ایک طفل ناداں اس سیلاب عظیم میں اپنے ایمان واخلاق کی ننھی منی سی

کشتی کو کیسے صحیح وسالم رکھ پاتا! خصوصاً جب کہ کتاب کی دعوت ودَعایت عین نفس کے مطابق ہو۔

مذہب کی حمایت ونصرت میں اب تک جو قوت جمع کی تھی، وہ اتنی شدید بمباری کی تاب نہ لاسکی اور شک وبدگمانی کی تخم ریزی مذہب واخلاقیات کے خلاف خاصی ہوگئی۔ لاحول ولاقوۃ، اب تک کس دھوکے میں پڑے رہے، تقلیداً اب تک جن چیزوں کو جزوِ ایمان بنائے ہوئے تھے، وہ عقل وتنقید کی روشنی میں کیسی بودی، کمزور اور بے حقیقت نکلیں، یہ تھا وہ ردعمل جو کتاب کے ختم ہونے پر دل ودماغ میں پیدا ہوا۔ پروپیگنڈے کا کمال بھی یہی ہے کہ حملہ براہ راست نہ ہو، بلکہ اطراف وجوانب سے گولہ باری کرکے قلعہ کی حالت کو اتنا مخدوش بنادیا جائے کہ خود دفاع کرنے والوں میں تزلزل وتذبذب پیدا ہوجائے اور قدم از خود اُکھڑ جانے پر آمادہ ہوجائیں۔'' (آپ بیتی، ص:۲۳۴ تا ۲۳۶)

''چند روز بعد عقائد وخیالات میں تبدیلی شروع ہوئی اور ایمان واسلام کی جگہ اب تشکیک وارتیاب رہنے لگا۔ دورِ الحاد میں میرے گرو سب سے بڑے یہ رہے ہیں: جان اسٹورٹ مل، ہربرٹ اسپنسر، ٹامس ہنری ہکسلے۔'' (آپ بیتی، ص:۳۵۴)

''ان سب کے مطالعہ سے اپنی تشکیک کو خوب غذا پہنچتی رہی اور الحاد کو خوب تقویت پہنچتی رہی۔ مذہبی مطالعہ اس وقت بھی کچھ ایسا کم نہ تھا، لیکن فرنگی الحاد کے جس سیلاب عظیم سے ٹکراؤ تھا اس سے مقابلہ کے لیے وہ مطالعہ ہرگز کافی نہ تھا۔'' (آپ بیتی، ص:۲۳۸)

''نماز اب بھلا کہاں باقی رہ سکتی تھی؟ پہلے وقت سے بے وقت ہوئی، پابندی گئی، ناغے اور کئی کئی ناغے ہونے لگے، یہاں تک کہ بالکل ہی غائب ہوگئی۔ وضو، تلاوت، روزہ وغیرہ سے کوئی واسطہ ہی نہ رہا۔'' (آپ بیتی، ص:۲۳۷)

''شوق مطالعہ میں ملحد ونیم فلسفیوں کی منطق وفلسفہ کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا، ہیوم اور اسپنسر کو بھی چاٹ ڈالا۔ نفسیات کے موضوع پر اہل فن کی کتابوں جو بہ ظاہر بے ضرر لیکن اصلی زہر اُن کی کتابوں کے اندر گھلا ہوا ملا۔ ذہنی، فکری عقلی اعتبار سے اب تمام تر ایک فرنگی یا صاحب بہادر تھا، مسلمانوں سے میل جول اب قدرۃً کم ہونے لگا، اسلامی تقریبات میں جانا تو قطعاً نہ رہا۔ ۱۹۱۸ء کے آخر یعنی دس سال تک دورِ الحاد رہا۔

لمحۂ فکریہ: ''ایمان کو عزیز رکھنے والے خدا کے لیے ان تصریحات کو غور سے پڑھیں اور کچھ لمحے سوچیں کہ جس تعلیم کے آتشکدے میں وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بے تحاشہ جھونک رہے ہیں وہ انہیں کدھر لے جانے والی ہیں۔'' (آپ بیتی، ص:۲۴۱)

کایا پلٹ

آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ:

''ضلالت مطالعہ کے راستہ سے پائی، ہدایت بھی بحمد اللہ اس کی راہ سے نصیب ہوئی۔''

اس کا پس منظر آپ بیتی، ص: ۲۴۸ پر ملاحظہ ہو:

''اس کے بعد مطالعہ مذہبی و نیم مذہبی قسم کے فلسفیوں کا شروع ہوگیا تو کچھ تبدیلی آنی شروع ہوئی، اس دور کی ابھی ابتداء ہی تھی کہ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد اول پریس سے باہر آ گئی، کتاب شبلی کے قلم سے تھی، موضوع کچھ بھی سہی، کیسے نہ اس کو شوق کے ہاتھوں سے کھولتا اور اشتیاق کی آنکھوں سے پڑھتا، کھولی اور جب تک اول سے آخر تک پڑھ نہ لی دم نہ لیا۔ (آپ بیتی، ص: ۲۴۸)

۱۹۱۹ء کا آخر تھا، اپنے ایک عزیز سید ممتاز احمد بانسوی لکھنوی کے پاس مثنوی رومی کے چھ دفتر کانپور کے بہت صاف، روشن اور خوش نما چھپے ہوئے دکھائی دیئے۔ کتاب شروع کرنے کی دیر تھی کہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نے جادو کر دیا، کتاب اب چھوڑنا چاہوں تو بھی کتاب مجھے نہیں چھوڑ رہی ہے، خیر اسلام سے بعدِ مسافت اب روز بروز کم ہو رہا تھا۔'' (آپ بیتی، ص: ۲۵۲)

نیک دوستی کی اہمیت

حدیث شریف کا مفہوم ہے: ''انسان اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے، پس ہر شخص دیکھ لے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے۔'' تو حضرت دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی ضلالت سے ہدایت کی طرف آنے میں ان کے قریبی دوستوں کا بھی بہت عمل دخل تھا۔

حضرت دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی آپ بیتی میں خود اعتراف فرماتے ہیں کہ: میرے دورِ الحاد سے راہ ہدایت کی طرف آنے میں میرے کالج کے ساتھی ڈاکٹر محمد حفیظ سید، نامور ظریف شاعر حضرت اکبر الہ آبادیؒ، رہنمائے ملک مولانا محمد علیؒ اور مولانا عبدالباری ندویؒ کا خصوصی کردار ہے۔

والدین سے گزارش

یہاں پر معزز والدین کی خدمت میں گزارش ہے کہ خدارا! اپنے بچوں کی دینی تربیت کا خاص خیال رکھیں کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ کیا دیکھ رہے ہیں؟ ان کا ذوقِ نظارہ وشوقِ مطالعہ کا رخ کس طرف ہے؟ ان کی مجلس کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے؟ فحش لٹریچر، گندی، مخرب اخلاق کتب بالخصوص بدعقیدہ لوگوں کی کتب سے خود کو اور اپنے اہل وعیال کو محفوظ رکھیں۔ اپنے اکابر کی ہر موضوع پر کتب دستیاب ہیں جن کے مطالعہ سے نہ صرف علم ملتا ہے، بلکہ عمل کا شوق بھی پروان چڑھتا ہے۔ اگر ہم نے بچوں کی طرف سے غفلت برتی تو پھر خدانخواستہ وہ حال نہ ہو جائے جیسے ایک صاحب اپنے بچے کو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے آئے کہ ''حضرت! اُسے نصیحت کریں، یہ نماز نہیں پڑھتا، حضرت نے اسے نصیحت کی کہ بیٹا نماز پڑھا کرو، بچے نے کہا: کس کی نماز؟

حضرتؒ نے فرمایا کہ: یہ اللہ کا حکم ہے، تو بچہ کہنے لگا: میں تو اللہ کو بھی نہیں مانتا۔ (معاذ اللہ) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے والد سے کہا: آپ اپنے بیٹے کو نمازی بنانے آئے ہیں، اسے پہلے مسلمان تو بنائیں۔'' ایک مسلمان بچہ ایسی گفتگو کیوں کررہا تھا؟ اس سوچ کے پیچھے مخصوص تعلیمی ماحول اور لٹریچر کا عمل دخل کارفرما ہوتا ہے، جیسے ہمارے ایک ٹیچر نے ایک حدیث پر اعتراض کیا، خیر اس کے اعتراض کا رخ مولویوں کی طرف تھا کہ ان مولویوں نے جنت کو بھی عریانی کی جگہ بنادیا ہے، ان کا اشارہ اس حدیث شریف کی طرف تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''جنتیوں کو جو حور ملے گی وہ ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی، ان ستر جوڑوں کے اندر جنتی کو اس کا جسم نظر آئے گا اور اس کے جسم میں سے اس حور کا دل نظر آئے گا اور اس حور کے دل میں جنتی کو اپنی محبت نظر آئی گی۔'' تو ان کو یہ منظرکشی عریانی نظر آئی، حالانکہ وہ حور اس جنتی کی اپنی ہوگی، کوئی نامحرم تو نہیں ہوگی کہ وہ حور کے کپڑوں کے اندر اس کا جسم نظر آنے کو عریانی پر محمول کرنے لگے۔ دراصل غیروں کی کتابوں کے مطالعے کے اثراتِ بد کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ انسان ہر ایک پر تنقید کرنا اپنا حق سمجھنے لگ جاتا ہے، پھر ان کی تنقید کی نشتر زنی قرآن وحدیث تک بھی آ پہنچتی ہے، جس کے بعد گمراہی اور الحاد کے دروازے کھلنے لگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین!

دعوت فکر

متذکرہ بالا حقائق کے پیش نظر ہم اپنے اور اپنے بچوں کے تعلیمی ماحول اور ان کی کتب بینی پر خصوصی توجہ دیں۔ ان کے اور اپنے شوقِ مطالعہ کا صحیح رخ متعین کریں، ورنہ بقول اکبر مرحوم:

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے کے بعد